فان تنازعتم فی شيٍ فردّوہ الی اللہ والرّسول

خلاف الامۃ فی العبادات

لشیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

مولانا عبدالرحیم پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

امام شمس الحق ڈیانویؒ پبلشرز، کراچی

پوسٹ بکس نمبر 18130 کراچی 74700

﴿ فان تنازعتم فی شي فردّوه الی الله و الرّسول ﴾

خلاف الامة فی العبادات

لشیخ الاسلام امام ابن تیمیه رحمة الله علیه

مترجم

مولانا عبدالرحیم پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

امام شمس الحق ڈیانویؒ پبلشرز، کراچی

پوسٹ بکس نمبر 18130 کراچی 74700

بسم اللہ الرحمان الرحیم

نام کتاب: خلاف الامۃ فی العبادات

مصنف: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: مولانا عبدالرحیم پشاوری

طبع اول: شعبان ۱۴۲۴ھ / اکتوبر ۲۰۰۳ء

تعداد: ۱۰۰۰

طابع: فیئر فین پریس، اُردو بازار، کراچی۔ 2625369

قیمت: =/18

﴿کتاب ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ قدوسیہ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور

☆ نعمانی کتب خانہ، حق اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور

☆ ادارہ معارف اسلامی، ڈی 35، بلاک 5، فیڈرل بی ایریا، کراچی

☆ الدار الراشدیہ، موسیٰ لین، لیاری، کراچی فون نمبر: 7542251

☆ مکتبہ احیائے اسلام، کورٹ روڈ، کراچی ☆ مکتبہ ایوبیہ، محمدی مسجد، برنس روڈ، کراچی

☆ اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور ☆ فاران اکیڈمی، اردو بازار، لاہور

☆ الفراز پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی ☆ اقبال بک سینٹر، صدر، کراچی 7211246

﴿اسٹاکسٹ﴾

☆ دار الکتب السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور۔ فون نمبر 7237184

☆ مکتبہ نور حرم، 60 نعمان سینٹر بلاک 5 گلشن اقبال کراچی

فون نمبر 4965124

فہرست

سخنہائے گفتنی

﴿ الله ولی الذین امنوا یخرجوهم من الظلمٰت الی النور ﴾ بندوں کوظلمت وتیرگی سے نکالنے کا واحد راستہ وہی ہے کہ جس کی نشاندہی خود آفریدکار عالم انسانیت نے کردی ہے، اس کے علاوہ اختیار کیے گئے راستے گمراہی کی ساعتوں میں اضافہ تو کرسکتے ہیں لیکن رشد وہدایت سے ہمکنار نہیں کرسکتے، ہر دور میں اصحاب صلاح وتقویٰ و ارباب زہد واخلاص نے اسی پیام ہدایت کی ضوریزیوں سے اپنے وجدوایقان کو آراستہ کیا اور پھر اس کے انوار وتجلیات کو عامہ خلق ناس کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا۔ انہیں رفیع المنزلت اصحاب میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی شمار ہے جن کی پوری زندگی جھو دالی الحق اور سعی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے گذری۔ انہیں اللہ نے اس فکروفہم سے نوازا تھا جس کی نظیر پیش کرنے سے آج اذہان وشعور قاصر ہیں۔

زیرنظر کتاب میں امام موصوف نے اختلافات امت کے اسباب وعلل پر نہایت گراں قدر تحریری سرمایہ محفوظ کردیا ہے۔ جو نہایت جامع بھی ہے اور انتہائی موثر بھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آج قلوب کو بالخصوص اپنے دینی معاملات کی رہنمائی کے لیے جس سبیل ہدایت کی تلاش ہے اس میں اس کی نشاندہی کردی گئی ہے کہ ﴿ فان تنازعتم فی شيءٍ فردّوہ الی و الرسول ﴾

اس کے فاضل مترجم مولانا عبدالرحیم پشاوری علمی حلقوں میں معروف ہیں، خوانندگانِ محترم ترجمہ کی سلاست وروانی سے زبان وادب پر مترجم کی مہارت کا بخوبی اندازہ لگائیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو کتاب وسنت کے چشمہ صافی سے اپنے قلوب واذہان کو منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

۱۸۔ شعبان ۱۴۲۴ھ / ۱۵۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء

تمہید

از علامہ سید رشید رضا مصری رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کی معرفت اپنے تمام بندوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ "وہ استقامت کے ساتھ دین کی پابندی کریں اور اس میں تفرقہ اور اختلاف نہ ڈالیں۔" لیکن واقع میں ہر ایک پیغمبر کی امت نے فرقہ بندی کی اور ایک دوسرے سے اختلاف کیا، جس سے دین کا مقصد یعنی امت کی ہیئت اجتماعیہ اور اس کا اتحاد اور الفت باہمی زائل ہوئی، یہاں تک کہ جب عالمگیر مذہب یعنی دین اسلام کا ظہور ہوا جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے فرقہ بندی، باہمی اختلاف اور ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑنے سے نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا، دین کی پابندی اور اتحاد و اتفاق کی تاکید کی، اور خاتم النبین ﷺ سے اس طرح خطاب فرمایا:

﴿انّ الذین فرّقوا دینهم و کانوا شیعاً لست منهم فی شیءٍ﴾ (الانعام: ۱۵۹) ترجمہ: "بیشک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور فرقہ بندی کی تمہیں ان سے کچھ سروکار نہیں۔"

بایں ہمہ یہ امت مرحومہ بھی اس فتنہ سے محفوظ نہیں رہی اور اس نے بھی دوسری قوموں کی طرح اختلاف کیا، بلکہ ایک دو قدم آگے نکل گئی۔ جب اختلاف حد سے بڑھ گیا، اسلام میں کثرت سے مذاہب پیدا ہوئے، ہر ایک مذہب کے پیروؤں نے دھڑا بندی کی اور اپنے مخالفین کو لعن وطعن کا نشانہ بنایا تو اس حالت میں اہل حق نے جو اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے تھے، امت کو اتحاد و اتفاق کی دعوت دی، نزاع و اختلاف سے لوگوں کو منع کیا اور ہر ایک بات میں اللہ تعالیٰ کے کلام پاک اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کو جن کا مختصر نام کتاب و سنت ہے، اپنا مرجع ٹھہرایا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اسی طریق عمل کا حکم دیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے :

﴿ فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذالک خیرٌ واحسن تاویلا﴾(النسآء : ۵۹) ترجمہ: ''اگر کسی چیز کی بابت تم جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بات تمہارے لئے بہت اچھی ہے اور اس کی عاقبت محمود ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا کلام اسی طرح ثابت ہے،اس میں اختلاف کی مطلق گنجائش نہیں،اور آنحضرت ﷺ کی سنت بھی اسی طرح معلوم ہے کہ کوئی اس کو رد نہیں کر سکتا۔جس بات پر خود آنحضرت ﷺ کا عمل رہا اور صحابہ کرامؓ نے اختلاف کے بغیر اس کا اتباع کیا اس میں مسلمانوں کا مختلف ہو جانا ناممکن ہے۔البتہ جو بات عہد رسالت یا صدر اول میں مختلف فیہ رہی،اس میں مسلمانوں کو کوئی ایک پہلو لے لینے کا اختیار ہے۔اور جس نے دوسرا پہلو اختیار کیا ہے،اس کو کوئی حق حاصل نہیں کہ اپنے مخالف کے عمل پر اعتراض کرے یا اس کے ساتھ جھگڑا کرنے پر آمادہ ہو۔

اس جماعت اہل حق کا نام ''اہل سنت والجماعت'' ہے، کیونکہ یہ لوگ واجبات دین میں اور نیز ان مسائل میں جن میں دونوں پہلوؤں پر عمل کرنے کا اختیار ہے،سنت کا اتباع کرتے ہیں اور جماعت کے ساتھ رہتے ہیں،یعنی اتحاد و اتفاق کو اختلاف و فرقہ بندی پر ترجیح دیتے ہیں،اور اس لئے ان کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو اس بنا پر کافر اور گمراہ نہیں کہتے کہ وہ ان عمل میں اختلاف رکھتا ہے ان کے نزدیک ایمان کی صحت کا معیار اور اخوت اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنے اقوال و افعال میں ان باتوں کا پابند ہو جن پر صحابہؓ اور تابعین کا اجماع تھا اور جس کا ہونا دین میں قطعاً ثابت ہے۔اس کے علاوہ دوسری باتوں میں اگر کوئی غلطی کرے تو ان کے نزدیک قابل معافی ہے۔

اہل سنت والجماعت کے علماء ان امور میں جو عہد صحابہ و تابعین میں مختلف فیہ رہے، یا جن کی

بابت روایت مختلف ہیں، ترجیح کے وجوہ پر غور کرتے تھے اور جس جانب کو راجح سمجھتے، اس پر عمل کرتے تھے۔ لیکن دوسرا شخص اگر دوسرا پہلو اختیار کرتا تو وہ اس کو قابل ملامت نہیں خیال کرتے تھے۔ خصوصاً جبکہ اس اختلاف کی بناء روایت پر نہیں بلکہ رائے پر ہوتی تھی۔

اس کے بعد امت مرحومہ میں تقلید کا زور ہوا اور ہر ایک فریق نے اپنی ریاست کے لئے ایک خاص عالم کا انتخاب کیا اور اس کو اپنا امام بنایا۔ اس طرح لوگوں میں تعصب پیدا ہو گیا، اور اس حالت میں نام نہاد اہل سنت والجماعت کو بھی اختلاف باہمی اور فرقہ بندی کا مرحلہ پیش آیا اور اہل بدعت کو ان پر اور ان کے مذہب پر طعن کا موقع ملا، بلکہ بعض نے ان کے طرز عمل کو دیکھ کر اصل دین کی سچائی میں شک کیا اور اس پر معترض ہوئے۔

ہم نے ''المنار'' میں مجدد اور مقلد کا ایک مناظرہ مکالمہ کے طرز پر شائع کیا تھا، جس میں اس تشتت و اختلاف کے نقصان واضح کیے تھے، اور اس خطرات سے بچنے کی تدبیریں بتائی تھیں۔ ہم نے اپنی تائید میں حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کا کلام ان کی کتاب "القسطاس المستقیم" سے نقل کیا تھا، جس میں امام موصوف نے اختلاف دور کرنے کے لیے متفق علیہ کی پابندی کے لزوم پر زور دیا ہے، نیز فرمایا ہے کہ مختلف فیہ کا کوئی ایک پہلو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ تمام ان باتوں سے احتراز کریں جن کا حرام ہونا متفق علیہ ہے، اور ان تمام امور کو بجالائیں جن کی فرضیت پر اجماع کیا گیا ہے، اور ان مستحبات کا بجالانا بھی نہ ترک کریں جن کے مستحب ہونے میں اختلاف نہیں۔ لیکن جو لوگ تعصب کے روگ میں مبتلا ہیں، ان کا قاعدہ ہے کہ ان امور میں بھی جن کے متعلق کسی ایک پہلو پر اجماع منعقد نہیں ہوا، اس شدت وغلو سے کام لیتے ہیں کہ اگر کوئی ان کی اختیار کردہ رائے یا روایت سے اختلاف کرے تو وہ اس کے ساتھ ایمان اور اسلام کا رشتہ اخوت توڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں (اور اس کو کافر سمجھنے لگتے ہیں) بحالیکہ وہ خود بعض فرائض اسلام کے تارک اور بعض محرمات شرعیہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے خیال میں عقیدے اور عمل کا اختلاف اس سے بڑھ کر گناہ ہے۔

ہمیں ان دنوں میں شیخ الاسلام علامہ احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ پڑھنے کا اتفاق ہوا جو عبادات کے طریق ادا کے اختلاف اور اہل سنت والجماعۃ کے بیان حقیقت پر مشتمل ہے۔ اور ہمیں مناسب معلوم ہوا کہ اس رسالہ کو شائع کیا جائے، بایں امید کہ عام مسلمانوں کو اس سے فائدہ حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اکرم ﷺ کو مخاطب فرماتا ہے:

﴿ وذكر فانّ الذكرىٰ تنفع المومنين ﴾ (الذریٰت:۵۵) ترجمہ: "اور تم لوگوں کو نصیحت دو کیونکہ نصیحت دینا مسلمانوں کو نفع دیتا ہے۔"

علامہ موصوف کا رسالہ مذکورہ حسب ذیل ہے۔

خلاف الامة فی العبادات

بسم اللہ الرحمان الرحیم ۔نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریمَ.

اصولی بات:

ظاہری عبادات کی کیفیتِ اداء میں بہ لحاظ روایت واجتہاد اختلاف واقع ہوا ہے، مثلاً اذان میں ترجیع کرنا یا نہ کرنا(۱)، بسم اللہ کو بآواز بلند پڑھنا یا نہ پڑھنا، فجر کی نماز میں دعائے قنوت کا ہونا یا نہ ہونا، رفع یدین اور عدم رفع یدن، ہاتھوں کا زیرناف یا سینہ پر ہاتھ باندھنا، حج میں تمتع یا قران یا افراد کا اختیار کرنا(۲) اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا وغیرہ۔اس قسم کی کیفیات میں اختلاف پیدا ہوجانا قسم قسم کی خرابیوں کا باعث ہوا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور سچے مسلمان پسند نہیں کرتے۔ ان خرابیوں کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے :

(۱) ادائے عبادت :اکثر لوگ ادائے عبادت کا مسنون و مشروع طریقہ نہیں جانتے۔ اس سے مراد وہ طریقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پسند فرماتے ہیں اور جس کو آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لیے مسنون فرمایا اور اس کے اتباع کا حکم دیا۔

(۲) ظلم وتعدّی :امت مرحومہ کے اکثر افراد ایک دوسرے پر ظلم وتعدی کرتے ہیں، مثلاً بعض اوقات اپنے مسلمان بھائیوں کو ایک ایسے امر سے منع کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع نہیں فرمایا، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ نہیں ہیں ان کو مبغوض

---

(۱) ترجیع کے یہ معنی ہیں کہ کلمات شہادت کو پہلے کسی قدر آہستہ اور دوسری مرتبہ بآواز بلند پکارا جائے۔مترجم

(۲) تمتع کے یہ معنی ہیں کہ احرام باندھ کر عمرہ کے افعال بجالائے اور پھر احرام کھول دے، ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو پھر حج کا احرام باندھے اور حج بجالائے، قران یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا جائے، پہلے عمرہ کے افعال بجالائے اور پھر حج کے، لیکن بیچ میں احرام نہ کھولے۔مترجم

سمجھا جاتا ہے، اور کبھی ان کے واجب حقوق کی اس لیے پرواہ نہیں کی جاتی کہ ان کو ادائے عبادت کی اس کیفیت یا طریقہ ادا سے اختلاف ہے جس کو وہ اپنی رائے میں قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوستی کے تعلقات پیدا کرنے، محبت رکھنے اور مال یا عہدہ کا مستحق سمجھنے میں ان اشخاص کو مقدم خیال کیا جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے موخر فرمایا، اور ان کو موخر کیا جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مقدم فرمایا۔

(۳) گمان وخواہش نفس کی پیروی : اپنے گمان اور خواہش نفس کی پیروی کی جاتی ہے، یہاں تک کہ بہت سے امور شرعیہ میں لوگ اپنے خواہشات نفسانی پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اکثر فقہاء وصوفیاء میں ہوائے نفس کی پیروی کا مرض پیدا ہو جاتا ہے جو خارجیوں، رافضیوں اور معتزلہ کی طرح ان کو اہل سنت والجماعۃ کے دائرہ سے خارج کر دینے کا موجب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں فرمایا ہے :

﴿ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ انّ الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب﴾(صٓ: ۲۶) ترجمہ : ''تم اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ ہو جاؤ گے، بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے صراط مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے عذاب ہے کیونکہ انہوں نے قیامت کے دن کو بھلا دیا تھا۔''

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :

﴿ولا تتبعوا اھوآء قومٍ قد ضلّوا من قبل و اضلّوا کثیراً وّ ضلّوا عن سوآء السبیل﴾ (المآئدۃ:۷۷) ترجمہ : ''تم اس قوم کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکی ہے اور بہتوں کو گمراہ کیا، اور یہ لوگ سیدھے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔''

(۴) امت مرحومہ میں تفرق وانتشار : اس سے امت مرحومہ میں تفرق و انتشار پیدا

ہوتا ہے جو اجتماع امت اور باہمی الفت کے خلاف ہے، چنانچہ بعض کو نہایت مبغوض اور بعض کو نہایت محبوب سمجھا جاتا ہے، اور اس کی بناء اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حبّ و بغض رکھنے پر نہیں ہوتی (بلکہ اپنے نفسانی خواہشوں کی بناء پر کسی کو مبغوض اور کسی کو محبوب بنالیا جاتا ہے) اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے لعن طعن کا نشانہ بناتے ہیں، بعض اوقات ہاتھا پائی اور جنگ وجدال تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور کبھی ایک دوسرے سے اس حد تک مقاطعہ کیا جاتا ہے کہ ایک فریق کے لوگ دوسرے فریق کے لوگوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ ان سب باتوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے اور اجتماع امت، باہمی الفت اور اتحاد ایک ایسی صفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سب سے زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ کلام پاک میں ہے:

﴿یا یھا الذین اٰمنوا اتّقوا اللّٰہ حقّ تقاتہ ولا تموتنّ الّا انتم مسلمون، و اعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرّقوا﴾ (آل عمران: ۱۰۲-۱۰۳)

ترجمہ: ''اے مومنو! اللہ تعالیٰ سے اسی طرح ڈرو جیسے کہ ڈرنے کا حق ہے اور تم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہوکر ہی مرو، تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور پراگندگی اختیار نہ کرو۔''

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:

﴿ولا تکونوا کالذین تفرّقوا واختلفوا من بعد ماجآء ھم البینات، و اولٰئک لھم عذاب عظیم. یوم تبیض وجوہ وتسودّ وجوہ﴾ (آل عمران: ۱۰۵-۱۰۶) ترجمہ: ''اور تم ان لوگوں کی طرح مت بنو جنہوں نے ہماری طرف سے واضح احکام کے پہنچ جانے پر بھی تفرق و اختلاف کیا، ان کے لیے اس دن بڑا عذاب ہے جبکہ کئی لوگوں کے چہرے روشن ہونگے اور کئی لوگوں کے چہرے سیاہ ہونگے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''اہل سنت والجماعۃ کے

چہرے روشن ہونگے، اہل بدعت اور اہل تفرقہ کے سیاہ ہونگے۔"

بہت سے لوگ اس سنت کو چھوڑ کر جس آنحضرت ﷺ نے مشروع فرمایا ہے، اہل بدعت میں شمار ہوتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ اتحاد باہمی سے (مسلمانوں کی جماعت سے) جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے، الگ ہوکر اہل تفرقہ میں گنے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

☆ ﴿ انّ الذین فرّقوا دینھم وکانوا شیعاً لست منھم فی شیء ﴾ (الانعام: ۱۵۹) ترجمہ: "بیشک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق پیدا کیا اور فرقہ بندی کی تمہیں ان سے کچھ سروکار نہیں۔"

☆ ﴿ وما تفرّق الذین اوتوا الکتٰب الّامن بعد ماجآء تھم البینة، ومآ امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفآء و یقیموا الصلوة و یوتو الزکوة و ذالک دین القیمة ﴾ (البیّنة: ۴-۵) ترجمہ: "جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے واضح نشانیوں کے آجانے پر بھی تفرق و اختلاف کیا، بحالیکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے ساتھ دین کا اتباع کر کے اس کی عبادت کریں، باطل سے منہ موڑ لیں، نماز سیدھے طور پر ادا کریں اور زکوۃ دیا کریں، یہی دین کا سیدھا راستہ ہے۔"

☆ ﴿ انّ الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتٰب الّا من بعد ماجآء ھم العلم بغیاً بینھم ﴾ (آل عمران: ۱۹) ترجمہ: "بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین اسلام ہی ہے، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے علم کے آجانے کے بعد صرف اس لیے اختلاف کیا کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم اور تعدّی کرنے لگے۔"

☆ ﴿ واٰتیناھم بیّنات من الامر فما اختلفوا الّا من بعد ما جآء ھم العلم بغیاً بینھم ﴾ (الجاثیة: ۱۷) ترجمہ: "اور ہم نے ان کو اپنے واضح احکام

عنایت فرمائے اورانہوں نے علم آجانے پر بھی فقط اس لیے اختلاف کیا کہ ان کی آپس میں دشمنیاں تھیں۔"

☆ ﴿ فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم ﴾ (الانفال:۱) ترجمہ:"اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو۔"

☆ ﴿انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم﴾ (الحجرات :۱۰) ترجمہ :"بیشک مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اس لیے اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو۔"

☆ ﴿ لا خیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس ﴾ (النسآء :۱۱۴) ترجمہ :"ان کی کثیر سرگوشیوں میں بھلائی نہیں، اگر بھلائی ہے تو اس میں کوئی خیرات کرنے کا حکم دے یا نیکی کے لیے امر کرے یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرے۔"

الغرض اللہ تعالیٰ کی رسی کو مظبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا، آپس میں اتحاد و اتفاق رکھنا اور تفرق واختلاف سے احتراز کرنا، اسلام کا عظیم ترین اصول ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں نہایت تاکید کے ساتھ اس کا حکم دیا ہے۔ اہل کتاب وغیرہ جس کسی نے بھی اس اتحاد کے اصل الاصول کو ترک کیا تھا، اس کی کلام پاک میں نہایت مذمت کی گئی ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنی خاص مجالس میں اور عام اجتماعات کے موقعہ پر بڑی تاکید کے ساتھ اس کی وصیت فرمائی ہے، مثلاً فرماتے ہیں :

"تم پر مسلمانوں کی جماعت کا ساتھ دینا لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کا ہاتھ جماعت پر رہتا ہے۔"

"اکیلے آدمی کو شیطان آدبوچتا ہے اور دو اکٹھے ہوں تو ان سے دور رہتا ہے۔"

"جو شخص مسلمانوں کے امیر میں کوئی ایسی بات مشاہدہ کرے جس کو ناپسند کرتا ہے تو اس کو صبر کرنا چاہیئے، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے ایک بالشت بھی دور ہو جائے تو بیشک اس کے یہ

معنی ہیں کہ اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار دیا۔"

ایک موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا :"کیا میں تم کو ایک ایسی بات بتاؤں جس کا درجہ نماز، روزہ، خیرات اور امر معروف سے بہت بڑھ کر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا بتادیجئے۔آپ نے فرمایا:"وہ بات باہمی تعلقات کا راست کرنا ہے کیونکہ آپس کا فساد مونڈ ڈالنے والا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈ ڈالتا ہے، نہیں، بلکہ دین کو مونڈ ڈالتا ہے۔"

"جب تم نے کسی شخص کو اپنا امام اور خلیفہ مان کر اتفاق کرلیا ہو اور کوئی شخص آکر تمہاری جماعت میں تفرق اور انتشار پیدا کرنا چاہے تو اس کی گردن اڑا دو، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔"

"یہ امراء تمہیں نماز پڑھاتے ہیں، اگر انہوں نے سیدھے طور پر نماز پڑھی تو اس میں تمہارا فائدہ ہے، لیکن اگر انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا تو تمہارے لیے اس کا ثواب ہے اور اس کا عذاب ان پر ہے۔"

"عنقریب اس امت مرحومہ میں تہتر فرقے پیدا ہونگے، ایک ہی فرقہ ان میں سے نجات پائے گا اور باقی بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے۔" کسی نے عرض کیا؟ "نجات پانے والا کونسا فرقہ ہوگا؟" آپ نے فرمایا:"نجات پانے والا فرقہ مسلمانوں کی جماعت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر رہتا ہے۔"

اس امت مرحومہ اور دوسری قوموں میں خرابی کی جڑ ہمیشہ یہی تفرق و اختلاف رہا ہے۔ امت مرحومہ کے ملوک و امراء اور علماء و مشائخ کا آپس میں اس قدر اختلاف اور ایک دوسرے سے علیحدگی پیدا ہوئی، جس کا اندازہ خدائے علیم ہی کرسکتا ہے۔ اگر چہ بعض اختلافات ایسے بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس لیے معاف فرمادیگا کہ وہ اختلافات کسی اجتہادی غلطی پر مبنی تھے لیکن بہر حال یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جماعت کا ساتھ دینا اور رشتہ اتحاد کو ہاتھ سے نہ دینا اسلام کا اصل الاصول ہے۔ اہل نجات اور اہل عذاب کا امتیاز سنت اور جماعت کے اتباع اور عدم اتباع پر منحصر ہے جس کا حدیثوں اور صحابہ وتابعین کے اقوال میں کثرت سے ذکر ہوا ہے۔ اس کا بیان تطویل کا موجب ہوگا۔ چنانچہ کتاب اللہ اور

سنت رسول اللہ ﷺ کے بعد تیسری چیز جس کا اتباع کرنا لازم ہے، وہ امت مرحومہ کا اجماع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس امت مرحومہ کو گمراہی پر متفق ہونے سے بچائے رکھے گا۔

(۵) تفرق واختلاف کے اثرات : اسی تفرق و اختلاف کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں ان باتوں کے متعلق شکوک پیدا ہو گیا ہے جن پر اہل سنت والجماعۃ کا اتفاق ہے اور وہ ان باتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ جس کا رفتہ رفتہ یہ نتیجہ ہوا کہ ان باتوں میں بھی شک کیا جانے لگا جن پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے بلکہ تمام ادیان و مذاہب ان کے بارے میں متفق الکلمہ ہیں۔ ان متفق علیہ باتوں کا کتاب وسنت سے ثبوت ملتا ہے۔

پہلے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اپنا پرنصیحت کلام تارا، جس کے یاد رکھنے کا حکم دیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو ارشاد ہوتا ہے :

﴿ واذكرن ما يتلىٰ في بيوتكن من اٰيات الله والحكمة ﴾ (الاحزاب: ۳۴) ترجمہ :"جو کچھ تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور اس کا پر حکمت کلام پڑھا جاتا ہے اس کو یاد رکھو۔"

اختلافات کی پیش بندی :

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کو تحریف اور تبدیل سے محفوظ رکھا ہے جو اس سے پہلے کی کتابوں میں واقع ہوئی تھی، جیسے کہ اس امت کو گمراہی پر متفق ہونے سے بچائے رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کے حروف اور الفاظ کو بعینہٖ محفوظ رکھا ہے جن میں کسی قسم کا تغیر وتبدّل نہیں ہوا، اور اہل سنت والجماعۃ کو اس کے معانی و مطالب کو محفوظ رکھنے کی توفیق دی کہ وہ اس کی تاویل اور توجیہ میں گمراہ نہ ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے کلام کو دانستہ اور نادانستہ جھوٹ سے محفوظ رکھنے کے لیے حفاظ حدیث کی ایک جماعت پیدا کر دی، جنہوں نے تمام حدیثوں کے اسناد اور راویان حدیث کے حالات دریافت کیے، اور ان کو حدیث کی صحت وعدم صحت کی بابت وہ علم حاصل ہوا جو دوسروں کو حاصل نہ ہو سکا۔ اس کاٹ چھانٹ اور جانچنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام

قابل استناد اور مقبول حدیثیں ایک جگہ جمع ہوگئیں، اور علماء حدیث نے ان کی صحت پر ایک ایسا اجماع کیا جو غلطی اور خطا سے محفوظ ہے۔ اس کے ثبوت میں مختلف دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں جن کی یہاں پر تفصیل کرنا طوالت کا موجب ہوگا۔

ان علماء حدیث نے خصوصاً اور دیگر اہل علم بلکہ عام مسلمانوں نے عموماً اس بات کو جان لیا اور ان کو یقین ہوگیا کہ دین کی ضروریات زیادۃ اور نقصان یعنی تغیر و تبدل سے محفوظ ہوگئیں۔ مثلاً یہ ایک یقینی بات ہے اور سب نے اس کو جان لیا ہے کہ رات دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنا فرض ہے (اس سے کم اور زیادہ نہیں)، نماز کی رکعتیں دو، تین اور چار ہیں۔ ماہ رمضان کا پورا مہینہ روزہ رکھنا فرض ہے لیکن بغیر اس کے کوئی روزہ فرض نہیں۔ حج صرف خانہ کعبہ کے لیے ہے اور اسی طرح زکوٰۃ کا فرض ہونا بھی معلوم ہے۔ انہوں نے یہ بھی جان لیا ہے کہ اہل ضلالت نے بعض جھوٹی روایتیں بنائی ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے انہیں آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ رافضیوں کے اس دعویٰ کو بالیقین جھوٹا سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کی تصریح فرمائی ہے یا حضرت عباس کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اہل علم کو اس بات کا یقین حاصل ہے کہ جو دور از عقل جنگی کارنامے اہل رفض نے حضرت علی کی طرف منسوب کر رکھے ہیں وہ محض بے حقیقت افسانے ہیں، اور ان کی وقعت منترہ اور بطال کے خرافات سے زائد نہیں، جن کو گدا پیشہ لوگ شد ومد کے ساتھ بازاروں میں بیان کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ علماء حدیث قطعی طور پر جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں کتنے غزوے واقع ہوئے؟ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان غزوات میں سے صرف نو غزوے ایسے ہیں جن میں لڑائی واقع ہوئی ہے، لیکن کسی غزوہ میں بھی مسلمانوں کی یا ان کے حریفوں کی تعداد بیس ہزار نہیں تھی، ان کو ان روایتوں کا جھوٹ بھی معلوم ہے جن میں یزید کے فضائل مذکور ہیں، اور وہ روایتیں جو فرقہ کرامیہ مسئلہ ارجا(۱) کی تائید کے لیے ذکر کرتے ہیں، یا وہ روایتیں جو صوفیہ کے نزدیک ہفتہ کے ہر

(۱) مسلمانوں کا ایک فرقہ مرجئہ ہے، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وحدانیت اور رسالت کا قائل ہو تو اس کے لیے گناہ بھی مضر نہیں۔ اس عقیدہ کا نام "ارجا" ہے۔

ایک دن کے جداگانہ نوافل کے فضائل کی بابت مشہور ہیں۔اور یہ کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب نے محفل سماع منعقد کی جس میں آنحضرت ﷺ نے وجد کیا اور رقص کی حالت میں آپ ﷺ کی چادر دوش مبارک سے گرگئی، آپ ﷺ نے اپنے کپڑے بھاڑ ڈالے اور جبرئیل علیہ السلام اس کا ایک ٹکرا اڑا کر آسمان پر لے گئے، یا یہ کہ اہل صفہ(۱) نے کافروں کے ساتھ ہو (مسلمانوں سے) لڑائی کی اور شب معراج میں جو راز کی باتیں اللہ تعالیٰ اور محبوب رسول اکرم ﷺ کے درمیان ہوئیں، سنیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن اور مزدلفہ کی صبح کو زمین پر نزول فرماتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس کو زمین میں سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

اسی طرح کثرت سے جھوٹی حدیثیں گھڑی گئیں جن کا مفصل بیان طوالت کا موجب ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جھوٹی حدیثیں بے شمار ہیں کیونکہ جھوٹی باتیں مسلسل ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ بر خلاف اس کے جو سچی حدیثیں ہیں وہ محفوظ و محدود ہیں جن کو خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے، اور آپ کے انتقال فرمانے کے بعد کسی نئی حدیث کا اس محفوظ ذخیرہ میں اضافہ نہیں ہوسکتا۔(البتہ جھوٹی حدیثیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں جیسے کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے)

جھوٹی حدیثوں کی شناخت :

جھوٹی حدیثیں معلوم کرنے کی علماء کرام کے پاس مختلف دلیلیں ہوتی ہیں جن کی مختصر تشریح حسب ذیل ہے :

(۱) راویوں کا جھوٹ :جس بات کی نقل اور اشاعت کے لئے لوگوں کی طبیعتوں میں فطری داعیہ اور محرک موجود ہو، ناممکن ہے کہ وہ بات چھپی رہے، اس لئے اگر چند آدمی اُس خبر کو نقل کریں اور باقی خاموش رہیں تو ان راویوں کا جھوٹا ہونا یقینی ہوگا۔اِس کو ایک مثال سے واضح کیا جاسکتا

(۱) اہل صفہ ستر کے قریب صحابی تھے جن کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا، وہ دن رات مسجد کے دالان میں بسر کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کا فیض صحبت حاصل کرنے میں مشغول رہتے تھے،''صفہ'' عربی میں دالان کو کہتے ہیں۔ حضرت امام ابن تیمیہؒ نے اہل صفہ پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔

ہے۔ مثلاً ایک دو شخص یہ خبر مشہور کرتے ہیں کہ آج جمعہ کے دن خطیب یا امام کو کسی نے قتل کردیا اور قاتل کو پولیس نے گرفتار کرلیا۔ (ظاہر ہے کہ جمعہ کی نماز میں سینکڑوں اور بعض اوقات ہزاروں آدمی شامل ہوتے ہیں اور خطیب کا قتل کیا جانا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی نقل اور اشاعت کے لئے ہر ایک شخص کی طبیعت میں محرّک موجود ہے، اِس لئے صرف ایک دو آدمیوں کا اِس کو نقل کرنا اور دوسرے تمام لوگوں کا خاموش رہنا ہی ان نام نہاد راویوں کے جھوٹا ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

اسی طرح ایک بڑا قافلہ جس میں ہزاروں آدمی ہوں، کسی ملک کو جاتا ہے اور صرف دو تین آدمی اُن سے یہ کہتے ہیں کہ راستے میں ہم نے فلاں مقام پر ایک بڑا شہر دیکھا اور فلاں جگہ فلاں قوم کی کثیر تعداد ہم نے آباد پائی، لیکن دوسرے لوگ اپنے سفر کے حالات بیان کرتے ہوئے اِس کا کچھ بھی ذکر نہیں کرتے، تو یقیناً معلوم ہوگا کہ یہ دو تین آدمی جھوٹ کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس کسی شہر یا بستی کے صرف چند آدمی کہتے ہیں کہ ہمارے شہر کے پاس ہی سونے یا چاندی کی کان ہے جس میں سونے کی افراط ہے اور ہر شخص اُس کو اُٹھا کر لاسکتا ہے وغیرہ۔

الغرض اس قسم کی خبروں کا جھوٹ بداہت عقل سے معلوم ہوسکتا ہے، کیونکہ اس قسم کے واقعات کا عام طور پر معلوم نہ ہونا اور ان کا علم چند افراد تک محدود رہنا قانون قدرت اور قانون فطرت کے خلاف ہے کہ تمام لوگ متفق ہوکر کوئی جھوٹ بات مشہور کریں، اور اس لئے متواترات سے یقینی علم حاصل ہوسکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اکثر لوگوں کی جبلت اور فطرت میں یہ بات ودیعت رکھی ہے کہ جب تک جھوٹ بولنے میں کوئی خاص غرض نہ ہو، انسان فطرۃً سچی بات کہتا ہے، اور سچ بولنا ایک ایسا ہی فطری امر ہے جیسے کہ کھانا پینا اور کپڑے پہننا۔

یہ بھی انسان کی فطرت ہے کہ وہ عظیم الشان واقعات کو کبھی چھپانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ان کی بابت خبر دینے پر حریص ہوتا ہے۔ عام لوگوں کی فطرت میں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے نئے واقعات کی بابت پوچھتے ہیں اور ہر ایک شخص فطرۃً صحیح خبر دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ صحیح حال کا چھپانا انسان کی غیر فطری حالت ہے، اور اس کی بناء خاص خاص اغراض پر ہوتی ہے۔ جیسے کہ کسی آدمی سے زنا اور قتل

کا صادر ہونا اس کی غیر فطری حالت ہے۔

خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ متواترات کے متعلق یہ دلیل ہرگز قابل پذیرائی نہیں کہ ممکن ہے سب نے جھوٹ پر اتفاق کرلیا ہوگا۔ اور روایت شاذہ کی بابت یہ کہنا مطلق درست نہیں کہ سب نے عدم اخبار پر اتفاق کرلیا ہوگا۔

(۲) جھوٹ پر اجماع ناممکن ہے: امت مرحومہ پر اس بات کو فرض ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ اپنے دین کی اور اس کے احکام اور عقائد کی تبلیغ کرے اور دین کی کوئی بات ہرگز نہ چھپائے، دین نے سچ بولنے کی تاکید کی ہے اور جھوٹ کو حرام بتایا ہے، اس لیے کسی بات کے چھپانے پر مسلمانوں کا متفق ہوجانا اتنا ہی بعید از قیاس اور قبیح ہے جیسے کہ جھوٹ پر متفق ہوجانا خیال کیا جاسکتا ہے۔

(۳) اسلاف امت کی صدق بیانی: اسلاف امت یعنی صحابہ وتابعین کی سچائی اور تبلیغ احکام وعقاید کا شوق اور آنحضرت ﷺ پر جھوٹ باندھنے سے ان کا احتراز کرنا اس قدر یقینی ہے کہ ہم بغیر کسی شک کی گنجائش کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے، اس میں جھوٹ کا احتمال نہیں، اور انہوں نے کوئی ایسی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی ہے جس کی تبلیغ ان کا فرض تھا۔ یہ صدق بیانی ان کی وہ خصلت ہے جو عام انسانی افراد سے ان کو متمیز بناتی ہے۔

(۴) علماء کرام کی فرض شناسی: علماء کرام بالخصوص اس بات کو جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے نہایت صراحت کے ساتھ تبلیغ کو علماء کا فرض قرار دیا ہے اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام اور احکام کی بیش از بیش تعظیم اور احترام کریں۔ ان کو خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام مثلاً ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے حالات پڑھ کر اس بات کا یقین ہوچکا ہے، جس میں ذرہ بھی ان کو شک نہیں کہ ان لوگوں نے (خلفاء راشدین اور صحابہ کرام) دین کے احکام وعقاید کی تبلیغ میں ہرگز کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ علماء اہل حدیث مشہور ناقلان حدیث مثلاً امام زہری، قتادہ، یحییٰ بن ابی کثیر، امام مالک، سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ وغیرہ (رحمہم اللہ) کا حال بھی اسی طرح

جانتے ہیں اوران کے حالات کو جانتے ہوئے وہ اس بات کا گمان تک اپنے دل میں نہیں لا سکتے کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہو، یا ان امور کو چھپایا ہو جوان کو معلوم تھے۔

اہل حدیث کے نزدیک اس یقین کرنے کے مختلف دلائل ہیں جن کی تفصیل تطویل کا موجب ہوگی، اور نہ یہ ان دلائل کے بیان کرنے کا موقع ہے۔ یہاں پر تو اہل ہوائے شبہات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ وہ بطور اعتراض یہ کہتے ہیں کہ تمہاری دلیل کو یہ کہہ کر توڑا جا سکتا ہے کہ اذان اور اقامت آنخضرت ﷺ کے عہد مبارک میں پانچ دفعہ روزانہ عمل میں آتی رہی، لیکن پھر بھی اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ اسی طرح بسم اللہ کو باواز بلند پڑھنے اور نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھنے میں اختلاف موجود ہے (جبکہ یہ روزمرہ کے واقعات ہیں)۔ حجۃ الوداع آنخضرت ﷺ کی زندگی کا عظیم الشان واقعہ ہے (جس میں شامل ہونے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی) باایں ہمہ اس کی کیفیت بیان کرنے میں راویوں نے اختلاف کیا ہے۔

الغرض نکتہ چینی کرنے والوں نے اس قسم کی بہت سے مثالیں بیان کی ہیں جن سے اختلاف ثابت ہوتا ہے۔ اُن مثالوں کے ذکر کرنے سے ان کو یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ بعض امور دینیہ ایسے بھی ہیں جن کو عہد اول کے لوگوں نے بیان نہیں کیا، بلکہ خاص اغراض ومقاصد کے لیے ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ادائے عبادات میں اختلافات کے نتائج :

ادائے عبادت کی کیفیت اور دیگر احکام وعقائد میں اختلاف پیدا ہو جانے سے ایک خرابی یہ بھی ظہور میں آئی ہے کہ اکثر رافضیوں اور دیگر اہل بدعت نے اہل سنت والجماعۃ کے مذہب کی حقانیت میں شک ڈالنے کے لیے ایک زبردست اعتراض کھڑا کر دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام اور دین ایک ہے اور دو مختلف باتیں دونوں حق نہیں ہوسکتیں، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا﴾ (النسآء :۸۲)

ترجمہ: ''اگر یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو وہ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔''

اور چونکہ اہل سنت والجماعۃ کے مذہب میں اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ یہ مذہب سچا نہیں۔

یہ اعتراض بیان کر کے وہ اہل سنت کو مختلف برے ناموں سے پکارتے ہیں، بعض اوقات ان کو عوام کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اور کبھی ان کو حشویہ کہتے ہیں، اور ان اہل بدعت نے اپنے لیے ایک شیطانی راستہ اختیار کر رکھا ہے، چنانچہ رافضی لوگ اہل بیت سے وہ وہ باتیں نقل کرتے ہیں جن کی کچھ اصلیت نہیں، سب سے پہلے زنادقہ (۱) نے اس قسم کی جھوٹی حدیثیں گھڑیں، ان کا سرخیل عبداللہ بن سبا تھا، جس نے سب سے پہلے رفض کی بنیاد ڈالی، اور اپنے اتباع کے لیے یہ حدیث گھڑی کہ "آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو خلیفہ بنانے کی تصریح فرمائی تھی، لیکن دوسروں نے ان پر ظلم کر کے حق سے محروم کر دیا۔" ابن سبا نے ان سے یہ بھی کہا کہ "حضرت علیؓ امام معصوم تھے۔"

زنادقہ کی غرض ان باتوں سے گھڑنے کی یہ تھی کہ تفرق اور اختلاف پیدا کر کے اسلام کی بنیادیں گرادیں۔ چنانچہ رافضیوں کا مذہب الحاد اور زندیقیت کا دروازہ ہے۔ فیلسوف نما ملحدین اور شیعہ کے غالی فرقے مثلاً قرامطیہ، نصیریہ، اسماعیلیہ اور حاکمیہ وغیرہ جن کا انجام کتاب وسنت اور شرائع اسلام کے انکار پر ہوا، اور جنہوں نے صریح کفر کا ارتکاب کیا، ان کی ابتدا رافضی اور شیعہ سے ہوئی۔ علیٰ ہذا القیاس معتزلہ وغیرہ اپنے مذہب کا مدار عقل وقیاس پر رکھتے ہیں اور جن باتوں کو اہل سنت والجماعۃ نے نقل کیا ہے، ان میں سے اکثر باتوں کو اہل سنت اس لیے قابل اعتراض سمجھتے ہیں کہ اہل سنت کے مابین ان کی بابت اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ بعض اوقات اصل اسلام پر اعتراض کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ الغرض بعض وہ لوگ جو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے متعلق تعصب رکھتے ہیں، دانستہ یا نادانستہ اسلام کے بڑے بڑے اصول کا انکار کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔

تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ اسی تفرق اور اختلاف کی وجہ سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں،

(۱) ایک جماعت کا نام ہے جو بظاہر مسلمان کہلاتے اور حقیقت میں اسلام اور مسلمانوں کے پکے دشمن تھے۔ انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں اسلام میں مشہور کیں۔ مترجم

اس لیے ہم اس کو زائل کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ ہم یہ بھی بتائیں گے کہ اس قسم کے جھگڑوں کے متعلق انسان کا مذہبی فرض کیا ہے؟

اختلاف زائل کرنے کا طریقہ :

اس اختلاف کو زائل کرنے کے دو اصول یاد رکھیں، یا بالفاظ دیگر دو چیزوں کی پابندی سے یہ اختلاف زائل ہوسکتا ہے: ایک ''سنت'' دوسری ''جماعت''۔ ان دونوں کا ثبوت کلام مجید میں موجود ہے، کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کا اتباع کریں گے (اس اتباع کا نام سنت ہے) وہ سب مل کر اس کی رسی کو مضبوط پکڑیں گے اور رشتہ اتحاد کو ہاتھ سے نہیں دیں گے (اور اس کا نام جماعۃ ہے) تو سمجھ لو کہ یہ لوگ ہدایت پر ہیں، اور وہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) کامیاب ہوں گے۔

جماعت کی پیروی :

پہلے ہم ''جماعت'' کو لیتے ہیں، کیونکہ اس کا مفہوم عام لوگ بھی جانتے ہیں، اور اس لیے یہ ضروری ہے کہ عام لوگوں نے جو معانی کتاب وسنت کے سمجھ رکھے ہیں، امت کے اجماع کو ان پر ترجیح دی جائے گی۔ بہر کیف ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عموماً یہ اختلاف ان امور میں رونما ہوتے ہیں جو مستحبات یا مکروہات ہیں۔ فرائض وواجبات اور محرمات میں یہ اختلاف نہیں پایا جاتا۔ مثلاً

حج : ایک شخص حج کرنا چاہتا ہے تو چاہے وہ اس کو تمتع کی صورت میں ادا کرے یا قران یا افراد کی شکل میں بجالائے، ہر حالت میں تمام علماء امت کے نزدیک اس کا حج جائز ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ ان تینوں مختلف صورتوں میں کونسی صورت کا اختیار کرنا افضل ہے؟ البتہ بعض لوگ جو ''جماعت'' سے خارج ہیں، وہ ان میں سے کسی ایک کو واجب یا حرام سمجھتے ہیں۔ مثلاً بعض شیعہ تمتع واجب سمجھتے ہیں، اور باقی دونوں صورتوں کو حرام اور ممنوع خیال کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے بعض ناصبی تمتع کرنا حرام سمجھتے ہیں اور کسی حالت میں بھی اس کو جائز خیال نہیں کرتے۔

اذان : دوسری مثال اذان کی ہے۔ کیونکہ چاہے اس میں ترجیع کرے یا نہ کرے تمام علماء

سلف اور اکثر علماء خلف کے نزدیک اس کی اذان درست ہے، اور چاہے موذن اپنی اذان کے شروع میں چار مرتبہ تکبیر کہے یا دو مرتبہ، اگر اس کے جواز میں اختلاف ہے تو صرف بعض گمنام فقہاء کا۔ البتہ شیعہ نے اس کی مخالفت کی ہے اور ان کا قول ہے کہ " حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الفلاح" کی بجائے "حیّ علی خیر العمل " کہا جائے۔ اسی طرح اقامت میں چاہے کوئی اس کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہے یا دو دو مرتبہ دہرائے، سوائے چند نا قابل اعتبار فقہاء کے تمام علماء اسلام کے نزدیک اس کی یہ اقامت صحیح اور درست ہے۔

بسم اللہ : تیسری مثال، بسم اللہ کو باآواز بلند پڑھنے کی ہے، اور اگرچہ دونوں صورتوں کے استحباب میں اختلاف ہے، بعض علماء ایک صورت کو مستحب اور دوسری کو مکروہ خیال کرتے ہیں، تاہم کوئی صورت بھی نماز کے باطل ہونے کا موجب نہیں۔ بے شک اپنی اپنی جگہ مطلق جہر اور خفیہ پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض واجب کہتے ہیں اور بعض نہیں، جیسے کہ امام مالکؒ اور امام احمد کے مذہب کا اختلاف جاننے والوں سے یہ پوشیدہ نہیں، لیکن اس کا تعلق قرآۃ کی طویل مقدار کو جہر کے ساتھ پڑھنے یا نہ پڑھنے سے ہے، مثلاً نماز فجر میں تمام قرات کو آہستہ پڑھنا لینا یا ظہر کی نماز میں تمام قرات کو جہر کے ساتھ پڑھنا۔ لیکن اگر کوئی شخص تھوڑی سی مقدار میں جہر کے بجائے خفیہ یا خفیہ کی بجائے جہر کرلے تو کسی عالم یا امام کے نزدیک بھی اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم میں یہ حدیث موجود ہے کہ "آنحضرت ﷺ بعض اوقات کسی خفیہ نماز میں ایک آدھ آیت جہر سے پڑھ لیتے تھے، جس کو آپ کے پیچھے مقتدی سن لیا کرتے تھے۔"

صحیح بخاری میں رفاعہ بن رافع زرقی سے روایت ہے کہ "ہم آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ نے رکوع سے سر اٹھا کر یہ فرمایا کہ "سمع اللہ لمن حمدہ" تو ایک شخص نے پیچھے سے کہا "ربنا و لک الحمد حمداً کثیراً طیّباً مبارکاً فیه" جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، فرمانے لگے "یہ کون تھا؟" اس شخص نے عرض کیا "میں تھا" آپ نے فرمایا میں نے کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے سے پیش دستی کر کے اس کا ثواب لکھنا چاہتے تھے۔"

اب ظاہر ہے کہ اگر اس شخص نے بآواز بلند نہ کہا ہوتا تو آنحضرت ﷺ اور دوسرے لوگ کس طرح اس کو سنتے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ مقتدی کے لیے خفیہ پڑھنا مستحب ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ استفتاح کی دعا یعنی یہ الفاظ "سبحانک اللّٰھم و بحمدک وتبارک اسمک و تعالیٰ جدّک ولا الہ غیرک" بآواز بلند پڑھتے تھے، بحالیکہ مہاجرین وانصار موجود تھے (لیکن کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا) اور سنت مستمرہ اس کا خفیہ پڑھنا ہے۔

بعض صحابہ "اعوذ باللہ" جہر سے پڑھا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی بابت روایت ہے کہ "آپ نے نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے، سورۃ الفاتحہ بآواز بلند پڑھی اور فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم جان لو کہ اس کا پڑھنا سنت ہے۔"

الغرض اس کی مثالیں کثرت سے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض صحابہ مثلاً ابن زبیرؓ وغیرہ بسم اللہ کو جہر سے پڑھتے تھے اور بعض دوسرے صحابہ مثلاً ابن مسعود وغیرہ جہر نہیں کرتے تھے۔ صحابہؓ نے اس مسئلہ میں گفتگوئیں کیں، لیکن کسی کی نماز کو باطل نہیں ٹھہرایا اور اس بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں، لیکن یہ ایک اور مسئلہ ہے۔

قنوت فجر: چوتھی مثال نماز فجر میں قنوت پڑھنے کی ہے۔ اس قنوت کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ وہ مستحب ہے یا مکروہ، اور اس کے فعل یا ترک سے سجدہ سہو لازم آتا ہے یا نہیں؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قنوت واجب نہیں اور اگر کوئی اس کو ترک کر دے تو اس کی نماز جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی اس کو پڑھ لے تب بھی (بقول غیر قائلین قنوت کے) اس کی نماز جائز ہے کیونکہ اس کا یہ فعل اعتدال فی القیام کی تھوڑی سی تطویل ہے اور اللہ تعالیٰ سے کچھ درخواست کرنا ہے۔ اور جہاں تک مجھے معلوم اگر سوائے فجر کے کسی دوسری نماز میں یہ فعل کرے تب بھی اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اسی طرح یہ اختلاف استحباب سے تعلق رکھتا ہے کہ نماز وتر میں ہمیشہ قنوت پڑھنا چاہئے یا صرف رمضان شریف کے آخری نصف میں۔ کیونکہ اس میں مطلق اختلاف نہیں کہ قنوت نہ تو واجب ہے اور نہ ہی اس کے ترک کرنے سے نماز باطل ہوتی ہے۔ رکوع سے پہلے یا پیچھے پڑھنے میں جو اختلاف ہے وہ بھی استحباب سے تعلق رکھتا ہے۔

نماز میں دوسلام : پانچیں مثال یہ بھی استحباب اور عدم استحباب کا جھگڑا ہے کہ دوسری مرتبہ سلام پھیرنا نماز کامل اور ناقص(۱) دونوں میں مشروع ہے یا صرف نماز کامل میں یا یہ کہ سرے سے مشروع نہیں؟ ایک روایت امام احمد کی یہ ہے کہ نماز کامل میں دوسرا سلام واجب ہے، اور یہ وجوب دوسرے ارکان نماز کی طرح ہے، یا اس قسم کا وجوب ہے جس کے ترک کرنے کا سجدہ سہو سے تدارک ہوسکتا ہے، اس میں بھی روایت مختلف ہے۔ دوسری روایت امام احمد کی جمہور علماء کے قول کے موافق ہے کہ دوسرا سلام نماز کامل ہی میں مستحب ہے۔

تکبیرات عیدین: چھٹی مثال نماز عید کی تکبیرات کا مسئلہ ہے۔ ان کی تعداد میں اختلاف کی بناء استحباب پر ہے، ورنہ اس میں مطلق جھگڑا نہیں کہ ہر ایک صورت میں نماز جائز ہے۔ چنانچہ تشہد کی عبارات میں جو اختلاف پلیا جاتا ہے، وہ بھی استحباب ہی کا جھگڑا ہے۔ اسی طرح نماز کے شروع کی دعا میں جو اختلاف موجود ہے اس کی بناء بھی استحباب پر ہے۔ وجوب اور عدم وجوب کے متعلق بہت کم اختلاف ہے، صرف ایک ہی روایت امام احمدؒ کے مذہب کی اس بارے میں موجود ہے۔

اختلافات کی بناء : اب جبکہ معلوم ہوا کہ ان تمام اختلافات کی بناء صرف استحباب پر ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک اختلافی مسئلہ میں دونوں مختلف صورتوں پر عمل کرنا جائز ہے۔ اس کی نظیر قرآن کریم کی مختلف قراتیں ہیں اور یہ جائز ہے کہ کسی قرات کے موافق قرآن کریم پڑھا جائے۔ اگرچہ بعض لوگ ایک قرات کو ترجیح دیتے ہیں اور دوسرے لوگ دوسری کو اگر اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے تو جن خرابیوں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے وہ ظہور میں نہ آئیں، کیونکہ جب یہ یقین ہوگیا کہ تمام مختلف فیہ صورتیں جائز ہیں، تو کسی ایک صورت کا ان میں سے اختیار کرلینا اور اس کو دوسری صوتوں پر ترجیح دینا مضر نہیں ہوگا بلکہ بعض اوقات دونوں صورتیں درحقیقت برابر ہوتی ہیں، اگرچہ بعض لوگ ایک کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور اگر بالفرض ایک صورت دوسری کے مقابلہ میں افضل بھی ہو تو افضل

(۱) جس نماز میں رکوع اور سجود ہے اس کو نماز کامل اور جس میں نہیں اس کو نماز ناقص کہتے ہیں۔ پہلے کی مثال روزمرہ کی نماز اور دوسرے کی مثال نماز جنازہ ہے۔ مترجم

صورت کے اختیار کرنے والے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مفضول صورت کے اختیار کرنے والے پر ظلم کرے اور اس کو برا بھلا کہے۔ اور اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ایسا شخص قابل مذمت نہیں اور اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے کیوں ایسا کیا؟ بلکہ جو کوئی شخص اجتہادی غلطی کرے اس کو برا کہنا بھی باجماع تمام مسلمانوں کے جائز نہیں بلکہ کسی اجتہادی غلطی کے لیے امت مرحومہ میں تفرق پیدا کرنا ناجائز ہے۔ کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ مستحب کو اس کے درجہ استحباب سے زیادہ اہمیت دے، کیونکہ بعض اوقات وہ شخص جو ایک خاص مسئلہ میں مفضول صورت اختیار کیے ہوئے ہے بعض دوسرے واجبات اور مستحبات بجالانے کی وجہ سے اپنے مدمقابل پر فوقیت رکھتا ہے۔ یہ ہرگز جائز نہیں کہ مستحبات کو واجبات کا درجہ دیا جائے اور ان کے بجا نہ لانے والے کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ گویا وہ مذہب سے خارج ہو گیا ہے، یا اس نے اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی ہے، بلکہ بعض اوقات خاص وجوہ کی بناء پر مستحبات کا ترک کر دینا ان کے بجالانے سے بہتر ہوتا ہے، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ بعض اوقات خاص وجوہ کی بناء پر واجبات کا بھی ترک کر دینا، ان کے کرنے سے بہتر ہوتا ہے۔ اور یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ امت مرحومہ کے رشتہ اتحاد کو قائم رکھنا ایک ایسا اہم مقصد ہے جس کے لیے یقیناً بعض مستحبات کو چھوڑ دینے سے یہ نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے تو ان کا چھوڑ دینا ہی مستحب ہوگا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اگر تمہاری قوم ابھی ابھی جاہلیت سے نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں کعبہ کی موجودہ عمارت کو گرا کر اس کے دروازے کے آستان کو زمین کے ساتھ برابر کر دیتا اور اس کا ایک دروازہ لوگوں کے داخل ہونے کے لیے اور دوسرا باہر جانے کے لیے بناتا۔''

امام بخاری اور بعض دیگر ائمہ نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ امام المسلمین بعض اوقات لوگوں کے دلوں کو اسلام کی نفرت سے بچانے کی غرض سے ایسے امور کو ترک کر دیا کرتا ہے جو اس کے نزدیک مستحب اور پسندیدہ ہیں۔ اسی اصول کی بناء پر امام احمد نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی معارض موجود ہو تو بسم اللہ کو بآواز بلند پڑھا کرے مثلاً جب مدینہ میں ہو تو بسم اللہ کو بآواز

بلند پڑھنا چاہئے۔ قاضی عیاضؒ اس کی تشریح میں کہتے ہیں کہ چونکہ امام ممدوح کے زمانہ میں اہل مدینہ کا معمول بسم اللہ کا بآواز بلند پڑھنا تھا اس لیے ان کے دلوں کو نفرت سے بچانے اور یہ بتانے کے لیے کہ ہم بھی بسم اللہ پڑھتے ہیں، بسم اللہ کو بآواز بلند پڑھنے کو ترجیح دی۔ لیکن بعض دوسرے علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ اہل مدینہ بسم اللہ کو کسی حالت میں نہیں پڑھتے تھے، اس لیے بسم اللہ بآواز بلند پڑھنے سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اس کا پڑھنا سنت ہے جیسے کہ ابن عباسؓ نے بعینہ اسی غرض کے لیے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کو بآواز بلند پڑھا تھا۔

الغرض یہ ایک بڑا اصول ہے جس کو ملحوظ رکھنا لازم ہے اور اس کے ملحوظ رکھنے سے شک اور اعتراض رفع ہوسکتا ہے، کیونکہ جب دونوں مختلف صورتوں کے جواز پر اتفاق ہے تو ایک کو دوسری پر ترجیح دینے میں اگر اختلاف کیا جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ اور اس کی مثال بعینہ ایک قرات کو دوسری پر ترجیح دینے یا کسی خاص عالم یا خاص عبادت کو دوسری عبادت یا دوسرے عالم سے افضل اور ارفع خیال کرنے کی مثال ہے۔ بلکہ دو مختلف قراتوں کے مسئلے میں آنحضرت ﷺ نے دونوں پڑھنے والوں کو اپنی اپنی قرات پڑھنے کا حکم دیا ہے اور آپس میں جھگڑنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے جو کوئی بھی اس ہدایت کی مخالفت کریگا، وہ ان لوگوں میں سے تصور کیا جائے گا جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مذموم بتایا ہے۔ لیکن جو ''اہل جماعت'' ہیں وہ ان باتوں میں نہیں جھگڑتے۔

سنت کی پیروی :

اب ہم دوسرے اصول ''سنت'' کی بابت کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جو سنت آنحضرت ﷺ کی کتب صحاح میں محفوظ ہے اس میں اس قدر وسعت اور خیر و برکت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے انسان کسی قسم کی تنگی میں نہیں پڑتا، اور شک وشبہ ہونے کا منشاء بعض لوگوں کی اپنی جہالت ہے۔ مثلاً

کلمات اذان : اذان کی بابت صحیح حدیثوں میں ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اقامت کے کلمات کو ایک ایک مرتبہ اور اذان کے کلمات کو دو دو مرتبہ کہنا مسنون فرمایا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بلال کو حکم دیا کہ ''اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت

کے کلمات کوایک ایک مرتبہ کہے۔'' صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو محذورہ کو اقامت کے کلمات بھی اذان کی طرح دو دوبار کہنے کی تعلیم فرمائی۔

جبکہ یہ ثابت ہوا کہ خود آنحضرت ﷺ نے اپنے دوموذنوں میں سے ایک کو ایک طرح اور دوسرے کو دوسری طرح اقامت کہنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے تو یہ بعینہ اسی طرح ہوا جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو قرات کی ایک قسم بتلائی اور ہشام بن حکیمؓ کو دوسری قسم۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں طرح پر پڑھنے کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔

اذان میں ترجیع :اسی طرح اذان میں ترجیع کرنا ابومحذورہؓ کی حدیث میں ثابت ہے، لیکن بلال کی اذان میں جس کو اہل سنن نے روایت کیا ہے اس کا ذکر نہیں۔

بسم اللہ بالجہر: اسی طرح صحابہ کی ایک جماعت سے بسم اللہ کا باآواز بلند پڑھنا ثابت ہے اور اکثر صحابہ اس کو خفیہ پڑھتے تھے اور بعض اصحاب سے دونوں طرح پڑھنا ثابت ہے۔ لیکن صحاح اور سنن کی کتابوں میں جو حدیثیں آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں روایت کی گئی ہیں، ان کا مقتضاء یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اس کو باآواز بلند نہیں پڑھتے تھے، جیسے کہ اکثر صحابہ اور اکثر علماء امت کا اس پر عمل تھا اور ہے۔ سیدنا انس، سیدہ عائشہ اور سیدنا ابو ہریرہ (رضی اللہ عنھم اجمعین) سے جو حدیث صحاح میں مروی ہے، وہ بلاشک اسی پر دلالت کرتی ہے، سنن کی کتابوں میں اور بھی اس قسم کی حدیثیں موجود ہیں مثلاً ابن مغفل وغیرہ کی حدیث، اور صحاح اور سنن کی کتابوں میں کوئی ایسی حدیث موجود نہیں جس میں بسم اللہ کو باآواز بلند پڑھنے کا ذکر ہو۔ جن حدیثوں میں جہر کا ذکر ہے، وہ سب کی سب اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ثابت ہوئی ہیں۔ اور اسی لیے کتب معتبرہ میں ان کی تخریج نہیں کی ہے، البتہ صحاح اور سنن میں کچھ ایسی حدیثیں ہیں، جن سے بطور احتمال جہر ثابت ہوتا ہے۔

بیشک طبرانی میں اسناد حسن کے ساتھ ابن عباسؓ سے یہ روایت موجود ہے کہ'' آنحضرت ﷺ جب مکہ میں تشریف رکھتے تھے تو بسم اللہ باآواز بلند پڑھتے تھے اور جب ہجرت کر کے مدینہ میں چلے آئے تو اس کا جہر سے پڑھنا چھوڑ دیا، یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔'' ابوداؤد نے ناسخ ومنسوخ

میں یہ روایت بیان کی ہے۔ یہ روایت واقع کے مطابق معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اہل مکہ اکثر جہر کرتے تھے، اور اہل مدینہ واہل شام وکوفہ جہر نہیں کرتے تھے، اور اسی لیے انہوں نے حضرت انسؓ سے اس کی بابت دریافت کیا۔ اور اگر آنحضرت ﷺ سے اس کا جہر پڑھنا ثابت ہو جائے تو ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض اوقات جہر کیا ہو، یا خفیف جہر سے پڑھتے ہوں۔ بہرحال جب خود کتب حدیث میں یہ موجود ہے کہ آپ نے جہر کیا بھی ہے اور نہیں بھی کیا تو اس سے شبہ زائل ہو جاتا ہے۔

قنوت فجر: قنوت کا مسئلہ اس سے بھی زیادہ واضح ہے، بشرطیکہ اچھی طرح سے اس پر غور کیا جائے، کیونکہ صحاح میں ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا شروع کیا، جس میں آپ رعل، ذکوان اور عصیّہ کے حق میں بددعا فرماتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد یہ قنوت ترک فرمایا۔ لیکن آپ کا یہ ترک کرنا آپ کے پہلے فعل کا ناسخ نہیں تھا، کیونکہ صحاح میں ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے بعد بھی قنوت پڑھا، جس میں بعض مسلمانوں کے رہائی پانے کے لیے یعنی ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور دوسرے بچارے مومنوں کے لیے دعا کرتے تھے، اور مضر کے حق میں بددعا۔

قنوت مغرب وعشاء: آپ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے نماز مغرب وعشاء اور دیگر نمازوں میں قنوت استنصار فرمایا ہے، یعنی مسلمانوں کی فتح کے لیے دعا مانگی ہے۔ اہل کوفہ کے بعض علماء کا قول ہے کہ قنوت منسوخ ہے اور آنحضرت ﷺ کا اس کو ترک کرنا اس کا ناسخ ہے۔ اور بعض اہل مکہ کا اعتقاد ہے کہ آنحضرت ﷺ فجر کی نماز میں آخر عمر تک یہ قنوت پڑھتے رہے، جس کی بابت اختلاف ہے۔ لیکن علم حدیث کے باخبر اصحاب کا یہ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کا قنوت ہمیشہ کسی خاص سبب پر مبنی ہوتا تھا اور اس سبب کے زائل ہو جانے پر آپ اس کو ترک کر دیتے تھے۔ اس لیے یوں سمجھیے کہ قنوت ایک عارضی سنت ہے، دائمی نہیں۔ کیونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ سبب زائل ہونے پر جب آپ نے قنوت کو ترک فرمایا تو اس سبب کے دوبارہ رونما ہونے پر آپ نے پھر قنوت پڑھنا شروع کیا، اور جب باردوم وہ سبب زائل ہو گیا تو آپ نے پھر قنوت ترک کر دیا۔

قنوت بعد از رکوع: صحاح میں انسؓ وغیرہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ تک قنوت پڑھا ہے۔ لیکن جس قنوت کی بابت اختلاف ہے اس قنوت کا پڑھنا رکوع سے پہلے یا اس کے بعد کسی سے بھی منقول نہیں اور نہ ہی صحاح اور سنن کی کتابوں میں اس کا کچھ ثبوت ہے۔ بلکہ ابن عمر اور ابو مالک اشجعی اور دیگر صحابہؓ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور یہ قطعاً معلوم ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ روزمرہ باآواز بلند قنوت پڑھا کرتے، تو ضرور وہ دعا بعض صحابہ سے منقول ہوتی کیونکہ عارضی قنوت اور قنوت وتر کی دعائیں منقول ہیں، اس لیے دائمی قنوت کی دعا بطریق اولیٰ منقول ہونی چاہئے تھی۔ اور جبکہ وہ شخص جو اس قنوت دائمی کو مستحب سمجھتا ہے، قنوت کے لیے وہی دعا پڑھتا ہے جو وتر کے قنوت میں پڑھی جاتی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں کوئی دعا منقول نہیں اور یہ بات ہم قطعی تیقن کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ایسی باتوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک بات ظہور میں آئے اور تمام صحابہؓ اس کے نقل کرنے سے قاصر رہیں، ایسا خیال کرنا قطعاً باطل ہے۔

جلیل القدر صحابہؓ مثلاً حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی قنوت عارضی ہی کی بابت روایت ثابت ہے جو حوادث کے وقت میں پڑھا جاتا تھا، حضرت عمرؓ سے اس باب میں یہ دعا منقول ہے کہ "اللّٰھم عذب کفرۃ اھل الکتاب الخ" جس کا مقتضاء یہ ہے کہ آپ نے عیسائیوں کے ساتھ لڑائی واقع ہونے کے وقت میں یہ دعا کی تھی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کو جب بعض اہل قبلہ کے ساتھ لڑائی پیش آئی تو آپ نے نماز میں دعا کی اور انسؓ کی یہ حدیث کہ آنحضرت ﷺ آخر عمر تک قنوت عمل میں لاتے رہے، قطع نظر اس سے کہ وہ ایک ضعیف حدیث ہے اور سنن کی کتابوں میں رکوع سے پہلے قنوت کے بارے میں ہے، کیونکہ خود انسؓ سے صحاح میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع کے بعد صرف ایک مہینہ تک قنوت کیا ہے اور رکوع سے پہلے قنوت کرنے کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ رکوع سے پہلے طویل قیام فرماتے تھے، کیونکہ قنوت کے اصلی معنی طاعت پر دوام کرنے کے ہیں، جس کا اطلاق کبھی تو طویل سجدے پر ہوتا ہے اور کبھی قیام پر۔ جیسے کہ کسی دوسری جگہ میں ہم نے اس کی تشریح کی ہے۔

حجۃ الوداع : حجۃ الوداع کا واقعہ اگر چہ اکثر لوگوں کو اس کی حقیقت کے متعلق شبہ ہوا ہے، لیکن اس اشتباہ میں پڑنے کی وجہ الفاظ مشترکہ کا استعمال ہے۔ کیونکہ انہوں نے بعض صحابہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے عمرے سے متمتع ہو کر حج کیا۔ اور یہی صحابہؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے مفرد حج کیا اور بعض کا قول ہے کہ آپ نے عمرے کو حج کے ساتھ ملا دیا۔ لیکن حقیقت میں کچھ اختلاف نہیں۔ کیونکہ اس بات کے بیان کرنے میں سب کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے احرام باندھ کر نہیں کھولا، اور یہ کہ آپ قربانی ساتھ لائے تھے جس کو آپ نے بقرعید کے دن قربان کیا اور یہ کہ حج کے بعد آپ نے یا آپ کے کسی صحابی نے اس سال عمرہ نہیں کیا، البتہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمان کو حکم دیا تھا کہ اُن کو مقام تنعیم سے عمرہ کرائے جو حِل کا قریب ترین حصہ ہے اسی طرح صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ صفا اور مروہ کے درمیان ایک ہی مرتبہ پہلے طواف کے ساتھ دوڑے تھے۔

اب غور کیجئے! جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے مفرد حج کیا، وہ اس لیے یہ سچ کہتے ہیں کہ آپ حج کے اعمال کو الگ بجالائے تھے اور عمرہ کو ان کے ساتھ نہیں ملایا تھا۔ جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قران کرنے والا دو مرتبہ طواف کرے اور صفا و مروہ کے درمیان دو مرتبہ سعی کرے۔

آپ نے احرام کھول کر تمتع بھی نہیں کیا جیسے کہ وہ شخص کر سکتا ہے جو قربانی اپنے ساتھ نہ لایا ہو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام صحابہ کرامؓ کو جو قربانی اپنے ساتھ نہیں لائے تھے، یہ حکم دیا کہ وہ احرام کھول دیں، اور اس کو عمرہ بنا دیں۔ اور عمرہ بجالانے کے بعد حج کے لیے دوبارہ احرام باندھیں۔ والحمدللہ تعالیٰ اوّلاً و اخراً وظاھراً و باطناً.

☆☆☆☆☆

ہماری چند دیگر علمی مطبوعات

☆ حقیقت نفاق از مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ =/16

☆ روح نماز از محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ =/12

☆ بیت المقدس کس کا حق ہے؟ از محمد تنزیل الصدیقی الحسینی =/36

☆ غزنوی خاندان از ملک عبدالرشید عراقی =/64

﴿ زیرِ طبع کتب ﴾

☆ ولایتی بیویاں، ولایتی شوہر

از مولانا حکیم محمود احمد برکاتی

☆ آسمان علم و فضل کے درخشاں ستارے

از محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

☆ المغراف فی تفسیر سورہ ق

از مولانا شاہ عین الحق پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

☆ ...

... و محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

... ڈیانویؒ پبلشرز، کراچی
... 18130 کراچی 74700